سیر و سوانح

حنبلی فقیہ شیخ موفق الدین ابن قدامہ مقدسیؒ

مولانا احتشام الحق قاسمی

ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک ہی خاندان میں ایک لمبے عرصے تک بیشمار ماہرین علم و تحقیق اور فن و ادب پیدا ہوئے ہوں اور انھوں نے مختلف میدانوں میں اپنی علمی و فکری صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہوں۔ خاندان "ابن قدامہ" ایسے ہی نامور خاندانوں میں سے ایک ہے۔ اس خانوادہ کا تعلق اصلاً فلسطین کے ایک گاؤں سے تھا مگر چھٹی صدی ہجری میں صلیبی استبداد کے بعد اس کے بیشتر افراد نے ہجرت کرکے دمشق کو اپنا مستقل مسکن بنا لیا تھا۔ اس سے تعلق رکھنے والے بیشتر افراد فقہ، اصول فقہ، حدیث، لغت، تصوف، علم حساب، علم نجوم، فن تاریخ و انساب، قضا اور تدریس و تالیف کے میدان میں مشہور ہوئے۔ مگر ان کی اصل شہرت فقہ حنبلی کی خدمت کی بنا پر ہے۔ ان میں سے تقریباً سبھی علماء حنبلی تھے۔ انھوں نے اس مسلک میں بیسیوں قابل قدر تصانیف پیش کیں جن میں سے کئی آج تک مقبول و متداول ہیں۔ اس عظیم خانوادے میں سب سے ممتاز شخصیت علامہ موفق الدین ابن قدامہؒ کی ہے۔

نام و نسب

ان کا مکمل نام و نسب اس طرح ہے عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ بن مقدام بن نصر بن عبداللہ بن حذیفہ بن محمد بن یعقوب بن قاسم بن ابراہیم بن اسماعیل بن یحییٰ بن محمد بن سالم بن امیر المومنین عمر بن الخطاب عدوی قریشی۔ کنیت ابن قدامہ اور ابو محمد ہے اور لقب

مُوفق الدین - اپنے لقب مُوفق الدین اور کنیت ابن قدامہ ہی سے انھوں نے زیادہ شہرت حاصل کی۔

ولادت

ملک فلسطین کے قصبہ نابلس کے گاؤں جمّاعیل (جیم کے زیر اور میم پر تشدید کے ساتھ) میں شعبان ۵۴۱ھ / ۱۱۴۶ء میں شیخ مُوفق الدّین ابن قدامہ کی پیدائش ہوئی۔ ان کا سارا خاندان علم و تقویٰ کی قیمتی دولت سے مالا مال تھا۔ ان کے والد شیخ ابوالعباس احمد بن محمد بن قدامہ زبردست عالم اور بڑے زاہد تھے اور ایک عرصے تک جمّاعیل کے خطیب بھی رہے تھے۔

تعلیم و تربیت اور اسفار

۵۴۹ھ میں جمّاعیل اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر صلیبیوں کے قبضے کے دو سال بعد ۵۵۱ھ میں شیخ مُوفق الدّین جو اس وقت دس سال کے تھے اپنے والد اور اہل خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے دمشق چلے آئے اور مسجد ابوصالح کے مشرقی دروازے کے پاس قیام کیا۔ پھر دو سال بعد دمشق کے گاؤں صالحیہ[۵] (جو جبل قاسیون[۶] کے ڈھلان پر آباد ہے) میں منتقل ہو گئے۔ اس دوران وہ حفظ قرآن کریم اور حصول مبادیٔ علوم و فنون اور مختصر خرقی کو یاد کرنے میں لگے رہے۔ ان کے والد شیخ احمد ان کے سب سے پہلے استاذ تھے اور ان کے ہم درسوں میں ان کے بڑے بھائی ابوعمر (م: ۶۰۷ھ) خالہ زاد بھائی عبدالغنی بن عبدالواحد (م: ۶۰۰ھ) اور عماد الدین ابراہیم بن عبدالواحد (م: ۶۱۴ھ) شامل تھے۔ پھر شیخ مُوفق نے دمشق کے اساتذہ ابوالمکارم محمد بن مسلم بن حسن بن ہلال ازدی (م: ۵۶۵ھ) اور ابوالمعالی عبداللہ بن عبدالرحمٰن (م: ۵۷۶ھ) سے استفادہ کیا۔

وہ بیس سال کی عمر تک مستقل طور پر طلب علم اور اصلاح نفس میں لگے رہے پھر ۵۶۱ھ اور ۵۶۱ھ کے درمیان انھوں نے اپنے خالہ زاد بھائی شیخ عبدالغنی کی رفاقت میں بغداد کا علمی سفر کیا اور کچھ عرصہ مدرسہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (م: ۵۶۱ھ) میں رہ کر ان سے مختصر الخرقی کو بالاستیعاب پڑھا۔ وہ اس کتاب کو قیام دمشق کے زمانے ہی میں یاد کر چکے تھے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے انتقال کے بعد فقیہ عراق ابوالفتح نصر بن فتیان بن مطر نہروانی مشہور بہ ابن المنّیؒ (م: ۵۸۳ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان سے مسلک امام احمد بن حنبل، اختلافی مسائل اور علم اصول حاصل کیا اس کے بعد بغداد میں اپنے چار سالہ قیام کے دوران میں انھوں نے مرجع عراق

ہبۃ اللہ حسن بن ہلال دقاق (م : ٥٦٢ھ) ابوالفتح محمد بن عبدالباقی معروف بہ ابن بطی بغدادی (م: ٥٦٤ھ) فقیہ وواعظ اور ادیب ابوالحسن مہذب الدین سعداللہ معروف بہ ابن الدجاجی (م : ٥٦٤ھ) فقیہ و مؤرخ ابوالفضل احمد بن صالح (م: ٥٦٥ھ) محدث ابوطالب مبارک بن خضر (م: ٥٦٢ھ) ابوبکر عبداللہ بن محمد (م: ٥٦٥ھ) اور فخر النساء شہدہ بنت ابونصر احمد بن الفرج دینوری بغدادی (م: ٥٧٤ھ) جیسی نادر روزگار شخصیات سے اکتساب فیض کیا۔[٨]

ابن الجوزی کے بقول شیخ مؤفق الدین نے ٥٦٧ھ میں بھی بغداد کا ایک سفر کیا تھا۔ پھر ٥٧٤ھ میں انھوں نے حج ادا کیا اور اس دوران میں حرم کے امام حنابلہ ابومحمد مبارک بن علی (م: ٥٧٥ھ) سے استفادہ کیا۔ پھر عراق کے وفد کے ساتھ بغداد آئے اور وہاں ایک سال اور قیام کیا اور شیخ ابن المنیؒ سے مستفید ہوتے رہے۔ ایک سال بعد جب وہاں سے لوٹنے لگے تو شیخ ابن المنیؒ نے کہا کہ بغداد کو تمہاری سخت ضرورت ہے اس لیے یہیں رہو۔ کیونکہ یہاں تم جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔[٩] مگر شیخ مؤفق الدین نے اسے مناسب نہ سمجھا اور دمشق آکر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے۔

درس وتدریس اور تلامذہ

بغداد سے دمشق واپسی کے فوراً بعد شیخ مؤفق الدین نے تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ چنانچہ ابوالقاسم عمر بن حسین بن عبداللہ خرقی بغدادی (م: ٣٣٤) کی کتاب مختصر خرقی کی طویل ترین شرح "المغنی" کے نام سے تصنیف کرنے کے ساتھ ساتھ وہ طلبہ کو فجر بعد سے چاشت تک اور ظہر بعد سے عصر تک اور عصر سے مغرب تک حدیث فقہ یا اپنی تصانیف کا درس دیتے۔ اپنی تصانیف کے علاوہ انھوں نے خاص طور "مختصر الخرقی" اور "الہدایہ" کی تعلیم بھی دی۔[١٠]

لاتعداد تشنگان علم ان کے علم وفضل سے سیراب ہوتے اور بعد میں چل کر وہ خود علم وادب کے مختلف میدانوں میں ممتاز حیثیت کے مالک ہوئے۔ ان کے بیشمار شاگردوں میں ان کے بھانجے قاضی القضاۃ شمس الدین عبدالرحمٰن بن ابوعمر (م: ٦٨٢ھ) بہاء الدین عبدالرحمٰن بن ابراہیم مقدسی (م: ٦٢٤ھ) اور مشہور مؤرخ شہاب الدین ابوالقاسم دمشقی (م: ٦٦٥ھ) کا نام خاص طور پر آتا ہے۔

مشاغلِ حیات

شیخ مُوفق الدین نے اپنی ساری زندگی حصولِ علم، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف ہی میں صرف کر دی۔ علمی استعداد، ذہانت وبصیرت اور مقبولیت کے اعتبار سے اگر وہ چاہتے تو کوئی نہ کوئی اعلیٰ عہدہ ضرور حاصل کرسکتے تھے۔ مگر طبیعت کے استغنا اور دین کی خدمت کے جذبہ کی وجہ سے اس طرف انھوں نے بالکل توجہ نہیں کی اور ساری عمر اسلامی علوم وفنون کی خدمت اور ان کی ترویج واشاعت میں لگے رہے۔

۶۰۷ھ میں شیخ ابوعمر خطیب جامع مظفری واقع بہ جبل قاسیون کے انتقال کے بعد جامع مظفری کی خطابت کی ذمّہ داری شیخ مُوفق الدین ہی کو سونپی گئی۔ اگر وہ کہیں جاتے تو ان کی عدم موجودگی میں سابق امام ابوعمر کے بیٹے شرف الدین عبداللہ (م: ۶۴۳ھ) ان کی نیابت کرتے[۵۱] اور اگر شیخ مُوفق دمشق میں ہوتے تو جامع دمشق کے حنبلی محراب کی امامت وخطابت وہی فرماتے اور یہاں پر ان کی عدم موجودگی میں شیخ عماد امام وخطیب تھے۔ شیخ عماد کی وفات کے بعد ابوسلیمان بن حافظ عبدالغنی محراب حنبلی کی نیابت کرنے لگے تھے۔

کردار وبزرگی

شیخ مُوفق متناسب قد، گورے رنگ، سرخ چہرے، کشادہ پیشانی، کھڑی ناک، لمبی داڑھی، جھکی ہوئی بھنوؤں اور نحیف جسم کے حامل تھے[۵۲] خاموش طبع تھے۔ ان کی شخصیت باوقار اور چہرہ نورانی تھا۔ ان کے معاصر ابن الجوزی کے بقول کوئی بھی ان کو دیکھتا تو اسے ایسا لگتا کہ کسی صحابی کو دیکھ رہا ہے[۵۳] وہ صاحب کشف و کرامات تھے۔ ان کے نزدیک امرا وسلاطین کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ ایک مرتبہ ملک عزیز بن عادل مدرسہ عزیزیہ ان سے ملاقات کی غرض سے آئے شیخ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے نہایت ہی اطمینان کے ساتھ نماز مکمل کی اور کسی قسم کی بیچینی کا اظہار نہ کیا اور اطمینان وسکون کے ساتھ نماز مکمل کرنے کے بعد بادشاہ سے ملاقات کی[۵۴]

ابن الجوزی نے اپنی کتاب مرأۃ الجنان میں ان کی عجیب وغریب کرامات کا ذکر کیا ہے۔ بزرگوں کے اس نوعیت کے واقعات سوانح کی کتابوں میں ملتے ہیں، لیکن ان سب کی تصدیق کرنا آسان نہیں ہے۔ مشہور مصری ادیب عبدالقادر بدران نے مقدمۃ المغنی میں مختلف کتابوں کے حوالے سے علامہ ابن قدامہ کی جو کرامات نقل کی ہیں ان کے مطابق انھیں پانی پر بھی چلنے کی قدرت حاصل تھی[۳۵]

معمولات

شیخ مُوفق کی مجالس ہمیشہ فقہاء کرام، محدثین عظام اور اہل علم وتقویٰ سے پر ہوتیں اور اس میں علمی و مذہبی بحثیں ہوتی رہتیں[۳۶] باوجود ان تمام تدریسی، تالیفی اور مجلسی مصروفیات کے ان کا معمول یہ تھا کہ روزانہ قرآن کا ساتواں حصہ تلاوت فرماتے اور مسجد میں فرض نمازوں کی امامت کے بعد اتباع رسول کی خاطر سنتیں گھر آکر ہی ادا کرتے[۳۷]

ایک عجیب معمول ان کا یہ تھا کہ وہ ہمیشہ اپنی پگڑی میں ریت سے بھری ایک پڑیا ضرور رکھتے تاکہ فتوی یا اجازہ لکھا جائے تو اس سے تحریر کو خشک کیا جاسکے۔ ایک مرتبہ اتفاقاً کسی محفل میں ان کی پگڑی کھل کر گرگئی اور کسی کھلنڈرے شخص نے اس کو پکڑ لیا شیخ مُوفق نے اس کو لپک کر اٹھالیا شیخ مُوفق نے اس سے کہا بھائی اس میں جو پڑیا ہے وہ رکھ لو اور عمامہ مجھے دے دو تاکہ میں باندھ لوں۔ اس شخص نے جب دیکھا کہ پڑیا وزنی ہے تو سمجھا کہ اس میں سونا یا چاندی ہے اور پگڑی انھیں واپس کردی[۳۸] یہ خوبصورت اور دلچسپ انداز شیخ مُوفق کی بے پناہ ذہانت اور ذکاوت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

وہ روزانہ عشاء کی نماز کے بعد رصیف و ربدواحی[۳۹] میں واقع گھر کی طرف لوٹتے ہوئے کچھ مساکین وغرباء کو اپنے ساتھ ضرور لے جاتے اور ان کو رات کا کھانا کھلاتے۔ ان کا اصل گھر قاسیون میں تھا[۴۰] چنانچہ بعض اوقات بعد نماز عشاء ادھر بھی نکل جاتے۔

صلیبیوں کے خلاف جہاد میں شرکت

جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۳ھ میں فلسطین کی ارض مقدسہ کو صلیبیوں سے پاک کرنے کی غرض سے اسلامی لشکر تیار کیا تو شیخ مُوفق اور ان کے بڑے بھائی ابوعمر

اوران کے خاندان کے نوجوان مجاہدین کی صفوں میں شامل تھے۔ اس وقت شیخ موفق کی عمر بیالیس سال اور شیخ ابوعمر کی عمر پچپن سال تھی۔ ان دونوں کا اوران کے خاص شاگردوں کا ایک مخصوص خیمہ بھی تھا جس میں سے وہ مجاہدین کے ساتھ لڑنے کے لیے نکلتے۔[۲۱] سلطان صلاح الدین ان دونوں بزرگوں کی بڑی عزت وتکریم فرماتے۔ ان کے بعد شیخ موفق کو ملک عبدالعزیز بن ملک عادل کے یہاں اس سے زیادہ عزت واحترام ملا۔

وفات

یکم شوال ۶۲۰ھ/۱۲۲۳ء میں اسّی سال کی عمر میں شیخ موفق الدین نے اس دارفانی سے رحلت کی۔[۲۲] ان کا انتقال دمشق ہی میں ہوا۔ سنیچر کے روز نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں خلق کے ایک جم غفیر نے شرکت کی۔ پھر ان کی تدفین قاسیون میں ہوئی۔ بعد میں ان کی قبر نے ایک زیارت گاہ کی شکل اختیار کرلی[۲۳] اور "روضہ" کے نام سے مشہور ہوئی کیونکہ شیخ موفق کی وہاں پر تدفین کے بعد آس پاس کے پہلے سے دفن شدہ لوگوں کو خواب میں دیکھا گیا تو ان لوگوں نے بیان کیا کہ ہم پہلے عذاب کی سخت تکلیف میں تھے مگر جب سے شیخ موفق ہمارے پاس دفن ہوئے ہماری قبریں جنت کی کیاریوں جیسی ہوگئی ہیں۔[۲۴]

ابن الجوزی نے مراۃ الزمان میں ان کی وفات کے وقت دیکھے گئے مختلف علماء وصالحین کے خواب ذکر کئے ہیں۔ اسماعیل بن حماد کاتب بغدادی کا بیان ہے کہ میں نے عیدالفطر کی رات دیکھا کہ مصحف عثمانی آسمان کی طرف بلند ہوتا جارہا ہے۔ اس سے میں نے اپنے اندر ایک عجیب طرح کا غم محسوس کیا چنانچہ عید کے دن شیخ موفق کا انتقال ہوا۔[۲۵]

عبدالرحمٰن بن محمد علوی کا بیان ہے میں نے عید کے دن خواب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور وہ قاسیون میں دفن کیے گئے ہیں۔ اس سے قبل عید کی رات جب ہم جبل بنی ہلال میں تھے۔ وہاں سے دیکھا کہ قاسیون میں زبردست روشنی ہورہی ہے۔ ہم نے سمجھا کہ شاید دمشق میں آگ لگ گئی ہے۔ گاؤں والے بھی نکل کر اس منظر کو دیکھنے لگے پھر عید کے دن شیخ موفق کی وفات کی خبر ملی۔[۲۶]

حسّان قرن سابع جمال الدین ابوزکریا یحییٰ بن یوسف انصاری صرصری (م: ۶۵۶ھ)

نے شیخ مُوفق کی مدح میں ایک طویل لامیہ قصیدہ کہا جس میں ان کی اور ان کی تصانیف وخدمات کی تعریف کی ہے اس کے کچھ اشعار یہ ہیں :

وفی عصرنا کان الموفّق حجۃ	علی فقھہ ثبت الاصول معوّلی
کفی الخلق بالکافی واُقنع طالبا	بمقنع فقہ عن کتاب مطوّل
واُغنی بمغنی الفقہ من کان باحثا	وعمدتہ من یعتمدھا یحصّل
وروضتہ ذات الاصول کروضۃ	اُماست بہا الاُزھار انفاس شمأل
تدلّ علی المنطوق اُوفی دلالۃ	وتحمل فی المفھوم احسن محمل[۲۷]

پسماندگان

شیخ مُوفق الدین کو ان کی اہلیہ مریم بنت ابوبکر بن عبداللہ بن سعد مقدسی سے تین بیٹے ابوالفضل محمد، ابوالمجد عیسیٰ اور ابوالعز یحییٰ اور دو بیٹیاں صفیہ و فاطمہ تولد ہوئیں مگر تینوں بیٹے علامہ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے۔ دوسرے بیٹے عیسیٰ سے دو بیٹے پیدا ہوئے مگر وہ دونوں لاولد انتقال کر گئے۔ اس طرح شیخ مُوفق کی نسل کا سلسلہ منقطع ہو گیا مگر ان کی کاوشیں اور اعلیٰ خدمات تاقیامت ان کے ذکر کو باقی رکھنے کے لیے کافی ہیں۔

تصانیف

شیخ مُوفق کی شخصیت ہمہ جہت ہے وہ ایک زبردست فقیہ، مورخ، محدّث، صوفی، مناظر، قرآنی علوم، علم انساب، فلکیات کے ماہر اور عربی زبان کے عمدہ شاعر تھے انھوں نے اپنی بیشمار مصروفیات کے باوجود اپنے پیچھے تقریباً تیس سے زائد جلیل القدر تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا جو فقہ، اصول فقہ، حدیث، انساب و تراجم، لغت، اصول دین، اور زہد و تصوف سے متعلق ہیں ان میں سے صرف المغنی دس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، الکافی چار جلدوں پر اور المقنع تین جلدوں پر اس کے علاوہ دوسری تصانیف بھی کافی ضخیم اور اپنی منفرد علمی اہمیت کی حامل ہیں۔

شیخ مُوفق کی فقہ سے متعلقہ تصانیف: (۱) "العمدہ فی الفقہ": فقہ حنبلی کے موضوع پر تحریر شدہ ایک مختصر سی کتاب ہے جو مبتدئین کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس میں حنبلی مسلک کے

قول راجح کو ہی بیان کیا گیا ہے۔ اختلافی مسائل اور ادلّہ سے بالکل بحث نہیں ہے۔ مصنف کا انداز یہ ہے کہ وہ ہر باب کو حدیث صحیح سے شروع کرتے ہیں اور پھر مسائل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ سب کے سب اسی حدیث کی فروعات نکلتے ہیں۔ یہ کتاب مصر سے کئی بار شائع ہو چکی ہے۔

اس کتاب کے متن کی نفاست اور اختصار کے پیش نظر شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کی شرح لکھی تھی۔ اس کے علاوہ شیخ مُوفق ہی کے شاگرد بہاء الدین عبدالرحمٰن بن ابراہیم مقدسی (م: ۶۲۴ھ) جنھوں نے شیخ سے براہ راست ان کے اغراض ومقاصد کو سمجھا تھا نے "العدّۃ" کے نام سے شرح لکھی۔ یہ شرح دارالمعرفۃ بیروت سے ۱۹۹۲ء میں خلیل مامُون شیحا کی تعلیق وتخریج کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

۲۔ **المقنع فی الفقہ**: فقہ حنبلی میں ایک متوسط درجہ کی کتاب ہے۔ مکتبہ ریاض الحدیثہ سے ۱۹۸۰ء میں تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر مسائل میں فقہ حنبلی کی دو روایتوں کو نقل کیا گیا ہے۔ تاکہ طالب علم کو ترجیح روایات کی مشق حاصل ہو اور دلیل کی طرف میلان کی تربیت ہو۔

سب سے پہلے مصنف کے بھتیجے شیخ عبدالرحمٰن بن عمر (م: ۶۸۲ھ) نے اس کتاب کی شرح لکھی اور اس میں زیادہ تر مواد مصنف ہی کی دوسری تصنیف المغنی سے لیا اور جو فروعات ووجوہات اور روایات اس میں بھی نہ ملیں ان کے لیے دوسری کتابوں سے رجوع کیا اور ساتھ ہی ان احادیث کو بھی پیش کیا جو المغنی میں نہیں تھیں۔ اس شرح کا نام انھوں نے "الشافی" رکھا تھا مگر زیادہ طوالت کی بنا پر وہ "الشرح الکبیر" کے نام سے مشہور ہوئی اور آج بھی مقبول ومتداول ہے۔

۳۔ **الکافی فی الفقہ**: یہ "المقنع" سے زیادہ وسیع کتاب ہے اور فروعات مسلک حنبلی ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں مسائل کے ساتھ ساتھ ادلّہ سے بھی بحث ہے جو طلبہ کو عمل بالدلیل سکھاتی ہے۔

۴۔ **المغنی**: اس کا شمار فقہ حنبلی کی مبسوط کتابوں میں ہوتا ہے۔ دس جلدوں میں مطبع دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت لبنان سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس سے قبل سید رشید رضا مصریؒ نے قاہرہ سے ۱۳۴۸ھ میں اسے بارہ جلدوں میں شائع کیا

تھا۔ یہ کتاب ابوالقاسم عمر بن حسین بن عبداللہ خرقی بغدادی (م: ۳۳۴ھ) کی کتاب "مختصر الخرقی" کی شرح ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے حنبلی مسلک کے ساتھ ساتھ دوسرے مسالک سے بھی بحث کی ہے اور جہاں اپنے مسلک کو فوقیت دی اس کے لیے دلیل فراہم کی ہے۔ مصنف سے علماء کی ایک بڑی تعداد نے اس کتاب کو پڑھا تھا۔ (م: ۶۸۵ھ)

شیخ عزالدین ابن السلام شافعی اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں: "اسلامی کتابوں میں ابن حزم کی المحلی اور موفق الدین ابن قدامہ کی المغنی سے بہتر کوئی اور کتاب میری نظر سے نہیں گذری اور میں اس وقت تک کسی مسئلہ میں فتویٰ دینا مناسب نہیں سمجھتا جب تک کہ میں المغنی اور مختصر الخرقی کو نہ دیکھ لوں۔[۱]

مصنف نے اس کتاب میں صحابہ وتابعین اور مشاہیر علماء کے اقوال بیان کیے ہیں اور ساتھ ہی ان کے دلائل بھی پیش کیے ہیں اور جن مسائل میں وہ مسلک حنبلی کو ترجیح دیتے ہیں ان جگہوں پر وہ دوسرے مسالک کی تنقیص نہیں کرتے۔ وہ مسائل میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے دوسرے موقف کے سلسلہ میں نہ طنز وتعریض سے کام لیتے ہیں اور نہ دوسرے مسلک کے دلائل ہی کو نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ دوسرا موقف بھی بلا کم وکاست بیان کر دیتے ہیں۔ اس کتاب کی ایک اور خاصیت یہ ہے کہ اس میں تمام اہم مسائل میں سبھی فقہاء مجتہدین کے مسالک کی تلخیص کر دی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب بہت سی دوسری فقہی کتابوں سے بڑی حد تک بے نیاز کر دیتی ہے اور اسی طرح دلائل، سنن وآثار، مذاہب صحابہ وتابعین اور اختلافی واجماعی مسائل کے ادلّہ سے واقفیت بھی اس کتاب سے ہو جاتی ہے۔

ان گوناگوں خوبیوں کی بنیاد پر یہ کتاب آج بھی بے حد مقبول ومتداول ہے نہ صرف مسلک حنبلی کے متبعین میں بلکہ دوسرے اہل مسالک میں بھی۔ حتیٰ کہ ہندوستان کے فقہ حنفی کے سخت ترین حامی مدارس میں بھی فتاویٰ نویسی کی مشق کراتے وقت طلبہ کو اس کتاب کے مطالعہ کی ہدایت کی جاتی ہے۔

۵۔ مختصر الهدایہ: فقہ حنبلی کی "الہدایہ" نامی کتاب کا اختصار ہے۔ جس کے مصنف شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے استاذ ابوالخطاب محفوظ بن احمد بن حسن کلوازانی بغدادی (م: ۵۲۰ھ) تھے۔

۶۔ مناسک الحج (ایک جلد میں حج سے متعلق مسائل بیان ہوئے ہیں)

(۷) ذمّ الوسواس (ایک جلد میں)
(۸) مقدمۃ فی الفرائض : جیسا کہ نام سے ظاہر ہے موضوع علم فرائض ہے۔
(۹) مجموعۃ فتاویٰ
اس کے علاوہ دیگر مسائل پر مختلف رسائل یہ ہیں۔

اصول فقہ میں:

(۱) روضۃ الناظر وجنۃ المناظر فی اصول الفقہ علی مذھب الامام احمد بن حنبل : یہ کتاب حنبلی اصول فقہ سے متعلق ہے۔ اس میں مصنف نے اصول فقہ اور اس میں اختلاف کو بیان کیا ہے۔ پھر قول مختار کی دلیل اور مخالفین کے جوابات بھی بیان کرتے ہیں۔

مقدمہ کے بعد انھوں نے اس کتاب میں آٹھ ابواب قائم کیے ہیں۔ پہلا باب حکم کی حقیقت اور اس کی اقسام دوسرا باب اصولوں کی تفصیل وہ: کتاب، سنت، اجماع اور استصحاب ہیں تیسرا باب مختلف فیہ اصول چوتھا تقسیم کلام واسماء، پانچواں امر و نہی، عموم و استثناء، شرط، نص کے الفاظ کے اشاروں اور معانی سے اصل مراد کو کس طرح سمجھا جائے گا، چھٹا قیاس سے متعلق ہے، ساتواں باب مجتہد اور مقلد سے متعلق ہے۔ آٹھویں باب میں ترجیحات ادلۂ متعارضہ کو بیان کیا گیا ہے۔

یہ کتاب اصول فقہ کے میدان میں منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ مکتبہ ریاض الحدیثہ سے شیخ عبدالقادر بدران دمشقی (م: ۱۳۴۶ھ) کی شرح نزھۃ الخاطر والعاطر کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ دار الکتب العربی سے بھی ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی۔ اس نسخہ کی ضخامت ۳۶۲ صفحات کی ہے۔

اصول دین میں:

۱۔ البرھان فی مسئلۃ القرآن (ایک جلد میں)
۲۔ جواب مسئلۃ وردت من صرخد فی القرآن (ایک جلد میں)
۳۔ لمعۃ فی الاعتقاد (ایک جلد میں) کئی بار زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔
۴۔ مسئلۃ العلوّ (دو جلدوں میں)
۵۔ ذم التاویل (ایک جلد میں)

(۶) کتاب القدر (دو جلدوں میں)
(۷) رسالة الی الشیخ فخر الدین ابن تیمیہؒ فی تخلید اهل البدع فی النار
(۸) مسألة فی تحریم النظر فی کتب أهل الکلام
(۹) کتاب صفة العلق

لغت وانساب وتراجم میں:

(۱) قنعة الاریب فی الغریب (چھوٹی سی جلد میں)
(۲) التبیین فی نسب القرشیین (ایک جلد میں۔ اس کا مخطوطہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔)
(۳) الاستبصار فی نسب الانصار (ایک جلد میں۔ اس کا مخطوطہ بھی دار الکتب المصریہ ہی میں موجود ہے)
(۴) فضائل الصحابہ (دو جلدوں میں) شائد اسی کا دوسرا نام منہاج القاصدین فی فضائل الخلفاء الراشدین ہے۔[۱۲]

حدیث میں:

(۱) مختصر علل الحدیث: ایک ضخیم جلد میں۔ اصل کتاب "علل الحدیث" کے مصنف ابو بکر احمد بن محمد بن ہارون الخلال (م: ۳۱۱ھ) ہیں۔ یہ کتاب کئی جلدوں پر مشتمل تھی شیخ موفق نے ایک ضخیم جلد میں اس کا خلاصہ کیا۔
(۲) مختصر فی غریب الحدیث
(۳) کتاب التوابین (دو جلدوں میں)

زہد ورقائق اور صوفیاء کے بارے میں:

(۱) کتاب الرقة والبکاء (دو جلدوں میں)
(۲) کتاب المتحابین فی اللہ (دو جلدوں میں صالحین کی زندگی اور ان کی صفات کے بارے میں)
(۳) فضائل عاشورا۔
(۴) فضائل العشر
(۵) ذمّ ما علیہ مدّعو التصوف

(۶) ذم الموسوسین (یہ رسالہ مجموعہ رسائل منیریہ میں شائع ہوا)

شیخ مُوفق بحیثیت فقیہ

شیخ مُوفق کا اپنی فقہی خدمات کی بناء پر صرف فقہاء حنابلہ کے سرِفہرست افراد ہی میں شمار نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرے اہلِ مسلک میں بھی وہ کافی مقبول ہیں۔ ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب میں لکھا ہے:

"سمعت شیخنا ابابکر بن	یعنی میں نے مفتی بغداد شیخ ابوبکر بن غنیمۃ
غنیمۃ المفتی ببغداد یقول	کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے زمانے
ما أعرف أحداً فی زماننا ادرک درجۃ	میں بغداد میں سوائے شیخ مُوفق کے کوئی
الاجتہاد الا الشیخ الموفق"	ایسا نہیں ہے جو اجتہاد کے درجہ تک پہنچا ہو۔

ابوالعباس ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

ما دخل الشام بعد الاوزاعی	شام میں امام اوزاعیؒ کے بعد شیخ مُوفقؒ
أفقہ من الشیخ الموفق رحمہ اللہ	سے بڑا فقیہ کوئی نہیں آیا۔

شیخ مُوفق نے فقہ حنبلی کی تعلیم کے لیے ایک مکمل نصاب تیار کیا جس میں ان کی چاروں کتابیں، العمدہ، المقنع، الکافی اور المغنی شامل ہیں۔ ان کی مختصر سی کتاب العمدہ پہلے مرحلے کے لیے ہے کہ اس میں صرف راجح اقوال ہی کا ذکر کیا گیا ہے، اختلاف اور دلائل سے بحث نہیں ہے۔ تاکہ مبتدئین بغیر کسی الجھن کے راجح قول کو ذہن نشین کریں۔ پھر دوسرے مرحلے کے لیے "المقنع" ہے جو العمدہ سے کچھ وسیع ہے اس میں بیشتر مسائل میں دو اقوال نقل کئے گئے ہیں تاکہ طلبہ کی فقہی صلاحیت آگے بڑھے اور دلائل کی تحقیق کی طرف کسی قدر ان کی توجہ ہو سکے اور وہ دو اقوال میں سے ایک کو راجح قرار دے سکیں۔ تیسرے مرحلے کے لیے ان کی کتاب الکافی ہے جس میں مسائل مختلف فیہ کے ساتھ ادلّہ سے بھی بحث ہے۔ اس کے مطالعہ سے طالب علم دلائل کے ذریعہ اقوال کی صحت وضعف کا اندازہ کرتا ہے۔ چوتھے مرحلے کے لیے انھوں نے المغنی پیش کی جو ایک طرح سے فقہ کا عظیم انسائیکلو پیڈیا ہے کہ اس میں حنبلی مسلک کے ساتھ تمام اختلافی مسالک اور ان کے دلائل سے بھی بحث ہے اور ساتھ میں اقوال صحابہ و تابعین بھی پیش کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے

مطالعہ سے طالبعلم نہ صرف مسلک حنبلی بلکہ دیگر مسالک کے اختلاف وادلّہ سے بھی اچھی طرح واقف ہوجاتا ہے۔ اس نصاب سے ہٹ کر انھوں نے مختلف اہم مسائل پر مستقل رسالے بھی تصنیف کیے اور حنبلی اصول فقہ سے صحیح طور پر روشناس کروانے کے لیے "روضۃ الناظر" نامی کتاب بھی تصنیف کی جس میں اصولوں سے بحث کے ساتھ اختلاف، راجح اقوال، مخالفین کے جوابات بھی پیش کیے۔

ابن قدامہ کی ان فقہی تصانیف نے اتنی زیادہ اہمیت حاصل کی کہ بعد میں ایک لمبے عرصے تک فقہا حنابلہ انہی کتابوں کی شرح وتعلیق کا کام کرتے رہے۔ چنانچہ العمدہ کی بہاءالدین مقدسی نے شرح لکھی پھر علّامہ ابن تیمیہؒ نے شرح لکھی۔ شیخ عبدالرحمٰن نے "الشرح الکبیر" کے نام سے المقنع کی طویل ترین شرح لکھی۔ اس کے بعد شمس الدین محمد بن ابو الفتح بعلی (م: ۷۰۹ھ) نے "المطلع علی ابواب المقنع" کے نام سے شرح لکھی۔ بعلی ہی کے معاصر شیخ سعدالدین مسعود حارثی (م: ۷۱۱ھ) نے ایک شرح لکھی۔ ایک اور معاصر ابو المحاسن یوسف بن محمد مقدسی (م: ۷۱۹ھ) نے کفایۃ "المستقنع لادلۃ المقنع" کے نام سے شرح لکھی۔ اس کے بعد شرف الدین موسیٰ حجاوی (م: ۹۶۸ھ) نے مختصر المقنع کے نام سے المقنع کی تلخیص کی پھر اس تلخیص کی شرح منصور بن یونس بہوتی (م ۱۰۵۱ھ) نے زاد المستقنع کے نام سے لکھی۔ اس کے علاوہ ابو الحسن سلیمان مرداوی نے المقنع ہی پر ایک طویل کتاب تصنیف کی جس کا نام "الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف"، رکھا۔ اسی مصنف نے اس کا خلاصہ "التنقیح المشبع فی تحریر احکام المقنع" کے نام سے تیار کیا۔

اس تجزیے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فقہ حنبلی میں ایک طویل عرصہ تک شیخ مُوفق ہی کی تصانیف اتنی اہمیت کی حامل رہیں کہ ان کے بعد مزید مستقل تصانیف کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی بلکہ علامہ ابن قدامہ کی کتابوں کی شروح وتلخیص، ان تلخیصات کی شروح اور ان کتابوں پر حواشی ہی کا کام ہوتا رہا۔

شیخ مُوفق نے فقہ حنبلی میں اپنی تصانیف کے ذریعہ سے گرانقدر اضافہ کیا ان کے بعد آنے والے تقریبًا سارے فقہائے حنابلہ نے ان کی تقلید اور پیروی کی بلکہ بعد میں جو کتابیں تصنیف ہوئیں ان میں ان کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا گیا۔ المغنی کی مقبولیت کا حال یہ ہے کہ وہ مسلکِ حنبلی کے ساتھ ساتھ دوسرے مسالک کے متبعین نے بھی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا حتی کہ شیخ

عزالدین ابن عبدالسلام باوجود شافعی فقیہ ہونے کے اس کتاب کو کتب شافعیہ پر فوقیت دیتے تھے اور اپنے فتاوی کے لیے اس کتاب کے مطالعہ کو لازمی سمجھتے تھے۔

شیخ مُوفق بحیثیت مناظر

شیخ مُوفق کے مختلف تذکرہ نگاروں نے ان کے بھانجے ضیاء الدین ابوعبداللہ (م: ۶۴۳ھ) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ شیخ ہر جمعہ کو دمشق کی "مسجد بنی امیہ" میں مناظرہ منعقد فرماتے۔ جو بعد نماز جمعہ شروع ہوتا۔ اس میں مختلف علمی و مذہبی مسائل پر مناظرہ ہوتا۔ دوران مناظرہ شیخ کے ہونٹوں پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی یہاں تک کہ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ حضرت تو حریف کو اپنی مسکراہٹ سے ہی قتل کر دیتے ہیں[۲۹]

شیخ کا خاصّہ یہ تھا کہ نصوص شرعیہ سے ہٹ کر کوئی بات نہ کرتے۔ عمر کے آخری حصّے میں انھوں نے مناظرہ کرنا بالکل ترک کر دیا تھا۔ تاہم اس بات کا اشارہ ہم کو نہیں ملتا کہ شیخ مُوفق کے حریف کون لوگ ہوتے تھے۔ آیا اسلام سے تعلق رکھنے والے فرقے یا دیگر اہل مذاہب۔ اس کے علاوہ اس بات کی نشاندہی بھی نہیں ہوئی کہ خاص طور پر کن موضوعات پر مناظرے ہوتے تھے۔

شیخ مُوفق بحیثیت شاعر

شیخ مُوفق نے صرف علمی و تحقیقی کاوشوں کو ہی پیش نہیں کیا بلکہ انھوں نے عربی زبان میں عمدہ شاعری بھی کی۔ ان کی شاعری کے جو نمونے ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے زیادہ تر زاہدانہ شاعری کی۔ ان میں فکر آخرت، موت کی یاد، دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ ملتا ہے۔ کچھ اشعار حکمت و فلسفہ سے متعلق بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مشکلات لغت پر بھی ایک طویل قصیدہ کہا تھا[۳۰]

موت اور انسان کی بے فکری پر کہتے ہیں:

أتغفل یا ابن احمد والمنایا   شوارع یختر منك عن قریب
أغرك أن تخطتك الرزایا   فکم للموت من سهم مصیب

(ترجمہ) اے ابن احمد (شاعر کی اپنی ذات) تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو؟ ... جبکہ موت

مستقل گردش میں ہے اور عنقریب تم کو بھی ہلاک کرنے والی ہے۔ (۲) کیا تم اس دھوکے میں ہو کہ تم مصیبتوں سے محفوظ ہو (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) موت کے ایسے بے شمار تیر ہیں جن کا نشانہ خطا نہیں ہوتا۔

اسی موضوع سے متعلق دوسرے اشعار:

كئوس الموت دائرة علينا — وما للمرء بدٌّ من نصيب
إلى كم تجعل التسويف دابا — أما يكفيك انذار المشيب
أما يكفيك انك كل حين — تمرّ بقبر خل أو حبيب
كانك قد لحقت بهم قريبا — ولا يغنيك افراط النجيب[۳۷]

(ترجمہ) (۱) موت کے جام مستقل گردش میں ہیں اور آدمی کو اپنے مقدر سے کہیں فرار نہیں (۲) تم کب تک ٹال مٹول کی عادت ڈالے رہو گے؟ کیا تمہارے لیے بڑھاپے کی وارننگ کافی نہیں ہے؟ (۳) کیا تمہارے متنبہ ہونے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارے دوست و احباب ہر لمحہ تم سے جدا ہو رہے ہیں۔ (۴) تم بھی جلد ہی ان سے (جا ملو گے) اور تمہاری خاندانی شرافت تم کو کوئی فائدہ نہ دیگی۔

ابن الجوزی کے مطابق شیخ موفق نے خود ان کو اپنے یہ اشعار سنائے تھے:

أبعدَ بياضِ الشعر اعمر مسكنا — سوى القبر اني إن فعلتُ لاحمق
يخبّرني شيبي باني ميتٌ — وشيكاً فينعاني الىّ ويصدقُ
يخرّق عمري كلّ يوم وليلةٍ — فهل مستطيع رفو ما يتخرق
كأني بجسمي فوق نعشي ممددًا — فَمِن ساكتٍ أو معولٍ يتحرّق
اذا اسئلوا عني اجابوا وعولوا — وأد معهم تنهلّ هذا الموفق
وغيّبتُ في صدعٍ من الارض ضيقٍ — وأودعت لحدًا فوق الصخر مطبق
ويحثو عليّ الترب أوثق صاحبٍ — ويسلمني للقبر من هو مشفق
فيا ربُّ كن لي مؤنسا يوم وحشتي — فاني بما انزلته لمصدّق
وما ضرّني اني الى الله سائرٌ — ومن هو من اهلي ابرُّ وارفق[۳۸]

(ترجمہ) (۱) کیا بالوں کی سفیدی کے باوجود قبر کے علاوہ میں کوئی اور قیام گاہ تعمیر کروں اگر میں ایسا کرتا ہوں تو میں بڑا نادان ہوں (۲) میرا بڑھاپا مجھے احساس دلاتا ہے کہ میں

لب بام ہوں۔ وہ مجھے میری موت کی اطلاع دیتا ہے اور اس معاملہ میں وہ سچا ہے (۳) شب و روز کی گردش میری عمر کو چاک چاک کرتی جا رہی ہے کیا کوئی اس چاک کو رفو کر سکتا ہے؟ (۴) میری نعش پڑی ہوئی ہے۔ کچھ لوگ خاموش ہیں اور کچھ واویلا مچا رہے ہیں۔ لیکن سب غم سے نڈھال ہیں۔ (۵) جب ان سے میرے بارے میں کچھ پوچھا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں پھر دھاڑیں مار کر رو دیتے لگتے ہیں اور ان کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے۔ (۶) پھر میں زمین کی تنگ سی دراڑ میں چھپا دیا گیا ہوں اور میری لحد کو پتھر کی سل سے ڈھک دیا گیا ہے۔ (۷) مجھ پر میرے قابل اعتماد دوست مٹی ڈال رہے ہیں اور میرے مشفقین ہی مجھے قبر کے سپرد کر رہے ہیں (۸) اے میرے رب میری وحشت کے دن تو میرا مونس و غمگسار بن جا اس لیے کہ جو کچھ تو نے نازل کیا ہے (قرآن) میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ (۹) مجھے غم نہیں کہ میں خدا کی بارگاہ میں جا رہا ہوں اور میرے پسماندگان بہت ہی نیک اور نرم مزاج ہیں۔

حواشی و مصادر

۱؎ تقریباً سبھی تذکرہ نویسوں نے ان کا سلسلۂ نسب صرف مقدام بن نصر تک ہی بیان کیا ہے۔ اس کے بعد سے حضرت عمر بن الخطاب تک کا نسب بدر الدین الخطیب نے مقدمۃ المقنع (لابن قدامہ): مکتبہ ریاض الحدیثہ: ۔ میں بیان کیا ہے۔ تغری بردی کی النجوم الزاہرہ اور ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ میں محمد اور ابن قدامہ کے درمیان اُحمد کا ذکر نہیں ہے

۲؎ جَمَّاعیل: فلسطین کے قصبہ نابلس کی پہاڑیوں میں واقع ایک کنویں کا نام ہے اس کے آس پاس کا علاقہ اسی نام سے مشہور ہوا۔ بیت المقدس سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یاقوت: معجم البلدان: دار صادر بیروت ۱۹۵۶: ج ۲ ص ۱۵۹۔ صفی الدین عبدالحق بغدادی: مراصد الاطلاع: دار احیاء الکتب العربیہ عیسی البابی والحلبی وشرکاؤہ: ۱۹۵۴: ج ۱ ص ۳۲۵

۳؎ ابن الجوزی: مرآۃ الزمان: دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد: : ج ۸ ص ۶۲۸

بغدادی: ہدیۃ العارفین: استانبول: ۱۹۵۱: ج ۱ ص ۴۵۹

۴؎ ابن العماد: شذرات الذہب: دار الکتب العلمیۃ بیروت: سن غیر مذکور: ج ۵ ص ۸۸

۵ھ صالحیہ : دمشق کا ایک بڑا گاؤں جس میں بہت سے بازار اور مساجد ہیں جبل قاسیون جو دمشق پر چھایا ہوا ہے کی ڈھلان پر یہ گاؤں آباد ہے۔ اس کے اکثر باشندے بیت المقدس اور اس کے نواح سے آئے ہوئے لوگ ہیں جو وہاں سے ہجرت کر کے یہاں آکر بس گئے۔ ان میں سے اکثر حنبلی المسلک ہیں۔ یاقوت کا کہنا ہے کہ وہاں پر بہت سے صالحین کی قبریں ہیں اور صالحین کی ایک جماعت ہمیشہ وہاں پر موجود رہتی ہے۔ اس کے علاوہ صالحیہ نام کے دو اور علاقے ہیں۔ ایک ارض الجزیرہ میں دوسرے بغداد میں۔ یاقوت : معجم البلدان : ج ۳ : ص ۳۸۰۔ صفی الدین : مراصد الاطلاع : ج ۲ ص ۸۴۳

۶ھ جبل قاسیون : " Mountcasius " پہاڑ جو دمشق پر (شمال کی جانب) سایہ فگن ہے۔ اس میں بہت سے غار ہیں جن میں سے بعض کے اندر انبیاء علیہم السلام کی یادگاریں اور بعض میں بزرگان صالحین کی قبریں ہیں۔ صاحب مراصد نے لکھا ہے: آج کل قاسیون دمشق کا ایک بڑا محلہ ہو گیا ہے جس کی آبادی پہاڑ کے دامن تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں بہت سے مقابر و مدارس نظر آتے ہیں۔ نواح میں دو مسجدیں ہیں جہاں پر جمعہ ہوتا ہے۔ نیز ایک ہسپتال اور ایک منڈی بھی ہے۔ سب سے اول جو لوگ یہاں آکر بسے وہ بیت المقدس کے باشندے تھے کہ صلاح الدین کے زمانے سے پہلے فرنگیوں نے اس شہر پر قبضہ کیا تو یہ وہاں سے جان بچا کر بھاگے اور یہاں آکر رہنے سہنے لگے۔ پھر اور لوگوں نے بھی ان کی تقلید کی۔ اسی جبل قاسیون میں مغارۃ الام نامی غار ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کا خون یہاں بہایا۔ ایک نشان خون کا سا بنا ہوا ہے جسے لوگ ہابیل کا خون بتاتے ہیں جو خشک ہو گیا ہے لیکن اس کا دھبہ آج تک موجود ہے۔ ایک پتھر بھی ہے جسے کسی آدمی نے اٹھا کے پھینکا ہو اور لوگوں کا بیان ہے کہ اسی سے قابیل نے بھائی کا سر پھاڑا۔ مغارۃ الجوع بھی اسی پہاڑ کا ایک غار ہے جہاں چالیس پیغمبر بھوک سے واصل بحق ہوئے۔ یاقوت: معجم البلدان : ۴ ص ۶۲۱، مراصد الاطلاع : ۳ ص ۱۰۸۷

۷ھ ابن الجوزی: مراۃ الزمان : ج ۸ ص ۶۲۷۔ زرکلی : الاعلام : دار العلم للملایین بیروت ۱۹۹۴ء ج ۴ ص ۱۶۷

۸ھ ابن الجوزی : مراۃ الزمان: ج ۸ ص ۶۲۷۔

۹ھ ابن کثیر : البدایہ والنہایۃ : مطبع السعادہ : ج ۱۳ ص ۱۰۱ الکتبی فوات الوفیات : مطبع السعادہ مصر ص ۴۳۳

۱۰ھ بدرالدین خطیب : مقدمۃ المقنع (ابن قدامہ) ص ۱۰ ۱۱ھ ایضاً۔

۱۲؎ ابن العماد : شذرات ، ج ۵ ص ۸۸

۱۳؎ ابن الجوزی : مراۃ الزمان : ۸ ص ۶۲۸

۱۴؎ ذہبی : سیر اعلام النبلاء : مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت : ۱۹۹۰ء، ج ۲۲ ص ۱۶۷

۱۵؎ عبدالقادر بدران : مقدمۃ المغنی (لابن قدامہ : مطبع المنار : مصر

۱۶؎ بدرالدین الخطیب : مقدمۃ المقنع (لابن قدامہ) ص ۷

۱۷؎ ابن الجوزی : مراۃ الزمان : ۸ ص ۶۲۸

۱۸؎ ابن کثیر : البدایہ والنہایۃ : ۱۳ ص ۱۰۰

۱۹؎ ایضاً ۲۰؎ ایضاً

۲۱؎ بدرالدین الخطیب : مقدمۃ المقنع ص ۹

۲۲؎ ابن شاکر الکتبی : فوات الوفیات : مطبعہ السعادہ بمصر سن غیر مذکور : ج ۱ ص ۳۳۴۔
تغری بردی : النجوم الزاہرہ : مطبع دار الکتب المصریہ : ۱۹۳۶ء، ۶ ص ۲۵۶، یاقوت معجم البلدان : ۲ ص ۱۱۱

۲۳؎ ذہبی : تاریخ دول الاسلام : دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد ۱۳۳۷ھ ج ۲ ص ۹۴

۲۴؎ ابن العماد : شذرات ، ۵ ص ۶۲۹

۲۵؎ ابن الجوزی : مراۃ الزمان : ۸ : ۶۲۹ ۲۶؎ ایضا

۲۷؎ بدرالدین الخطیب : مقدمۃ المقنع : ص ۱۲

۲۸؎ ذہبی : سیر اعلام النبلاء : ۲۲ ص ۱۶۸

۲۹؎ بدرالدین الخطیب : مقدمۃ المقنع ص ۱۰

۳۰؎ ابن العماد : شذرات ، ۵ ص ۹۱ ۔عزالدین عبدالسلام شافعی کے بارے میں دیکھئے سیوطی :
نظم العقیان فی اعیان الاعیان : مطبع سوریہ امریکیہ : ۱۹۲۷ء، ص ۱۲۹

۳۱؎ بدرالدین الخطیب : مقدمۃ المقنع : ص ۱۱

۳۲؎ ابن العماد : شذرات : ۵ ص ۹۱ ۳۳؎ ایضاً

۳۴؎ ذہبی : سیر اعلام النبلاء : ۲۲ ص ۱۶۹

۳۵؎ عبدالقادر بدران : مقدمۃ المغنی ، مطبع المنار مصر

۳۶؎ ایضاً ۳۷؎ ایضاً

۳۸؎ ابن الجوزی : مراۃ الزمان : ۸ ص ۶۳۰ ، ابن کثیر : البدایہ والنہایۃ : ۱۳ ص ۱۰۰

ترجمہ وتلخیص

دفاع کی شرعی حیثیت

تحریر: شیخ عبدالقادر عودہ مصریؒ

ترجمہ: محمد جرجیس کریمی

آج امت مسلمہ پوری دنیا میں دفاعی پوزیشن میں ہے اس پر فکری اور تہذیبی یلغار کے ساتھ جارحانہ حملے بھی ہو رہے ہیں۔ ہندوستان میں آئے دن فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوتے رہتے ہیں، جرائم اور نامعلوم حملوں میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا ہے جن سے دفاع کے مسئلے نے خاص اہمیت حاصل کر لی ہے ضرورت تھی کہ اس کی شرعی حیثیت کو واضح کیا جائے تاکہ بوقت ضرورت اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے اور دفاع کے نام سے غیر ضروری طاقت کے استعمال سے بچا جاسکے زیر نظر مضمون میں دونوں پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے امید ہے کہ دفاع کی شرعی اور قانونی حیثیت کو سمجھنے میں یہ مضمون مفید ثابت ہوگا۔ دفاع کی دو قسمیں ہیں۔ دفاع خاص یعنی جارحانہ حملے سے اپنے آپ کا دفاع کرنا اور دفاع عام یعنی معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا۔ زیر نظر مضمون میں اول الذکر کی شرعی حیثیت سے بحث کی گئی ہے دوسری قسم کے دفاع کی شرعی حیثیت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ جناب مولانا سید جلال الدین عمری کی مشہور تصنیف "معروف و منکر" مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی جس کے متعدد زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور جو اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔ (مترجم)

دفاع کی مشروعیت

شریعت میں دفاع خاص واجب ہے جس سے آدمی جارحانہ حملوں سے اپنے آپ کا دفاع کرتا اور اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے یہ دفاع خواہ اپنی طرف سے ہو خواہ، دوسرے کی طرف سے ایک شرعی حق ہے اور اس پر دفاع کرنے والا

قانونی مواخذہ سے بری سمجھا جائے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم (البقرہ: ۱۹۴)

جو تم پر دست درازی کرے تم اسی طرح اس پر دست درازی کرو۔

اس سلسلہ میں متعدد احادیث بھی وارد ہیں جن سے اپنی ذات کے دفاع کا حق ثابت ہوتا ہے مثال کے طور پر ایک شخص دوسرے کا ہاتھ دانت سے کاٹنے لگا تو اس نے اپنا ہاتھ زور سے باہر کھینچا تو اس کے دانت باہر نکل پڑے جب اس کی شکایت دربار نبوی میں کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ پر رہنے دیتا کہ تو اسے چباتا رہے۔ چنانچہ اس پر کوئی حد نافذ نہ کی گئی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے" ایک اور موقع سے آپؐ نے فرمایا "کوئی شخص بغیر اجازت تمہارے گھر میں تانک جھانک کرے اور تم اس کی آنکھ پھوڑ ڈالو تو تم پر کوئی تاوان نہ ہوگا اسی طرح آپؐ نے دوسرے کی طرف سے دفاع کا حکم دیا' ارشاد ہے کہ" اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم، ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روک دیا جائے اور مظلوم کی مدد یہ ہے کہ اس پر ظلم نہ ہونے دیا جائے ایک اور روایت ہے جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا "فتنہ فساد کے وقت مومن ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔

دفاع کی شرعی حیثیت

فقہاء کا اتفاق ہے کہ جان، مال اور عزت و آبرو پر ہونے والے حملوں کا دفاع مشروع ہے خواہ یہ حملہ اپنی ذات پر ہو یا کسی دوسرے کے خلاف ہو البتہ اس کی تفصیلات میں ان کا اختلاف ہے اس بارے میں بنیادی طور پر دو مسائل ہیں ایک یہ کہ کیا دفاع واجب ہے کہ ہر حال میں آدمی اس کو اختیار کرے یا یہ ایک حق ہے کہ چاہے تو اس کا استعمال کرے چاہے نہ کرے۔ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر عزت و آبرو پر حملہ کیا جائے تو اس کا دفاع واجب ہے۔ مثال کے طور پر عورت اپنی آبرو پر حملہ کرنے والے شخص کو قتل کر سکتی ہے۔ اسی طرح کسی عورت کی عصمت کی حفاظت کے لیے اس کی عصمت کے درپے شخص کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس کا دفاع کسی اور طرح ممکن نہ ہو۔

شریعت میں واجب کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ترک کرنے والا گناہ گار اور قابل مواخذہ ہے خواہ یہ مواخذہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں۔ ایک دوسری رائے کے مطابق وہ قابل مواخذہ تو نہیں[۱] البتہ قابل ملامت ضرور ہوگا دفاع واجب کا ترک کرنے والے کی دنیا میں تو گرفت نہیں کی جائے گی لیکن آخرت میں اس کا مواخذہ ہوگا لیکن واضح رہے کہ دنیا میں واجب کے ترک پر جوابدہی کے نہ ہونے سے واجب کی اصل اہمیت میں کمی واقع نہ ہوگی اور نہ اس سے واجب اور حق کا درجہ برابر ہو جائے گا کیونکہ حق میں آدمی کو اس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور اس کا تارک گناہ گار نہیں ہوتا جبکہ واجب میں یہ اختیار نہیں اور اس کا ترک کرنے والا گناہگار سمجھا جاتا ہے[۲]

جہاں تک نفس یعنی جان سے متعلق دفاع کا سوال ہے تو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک نفس کی طرف سے دفاع واجب ہے[۳] امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ جائز ہے[۴] واجب نہیں، بعض فقہاء حنابلہ نے حالات کے مطابق اس میں تفریق کی ہے مثلاً اگر حالات پرفتن ہوں تو جائز ہے اور اگر حالات عام ہوں تو واجب مطلق ہے[۵] بعض شافعی اور مالکی فقہاء کا بھی یہی خیال ہے[۶] ان کی دلیل یہ ہے کہ فتنے کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر پر بیٹھے رہنے کی تلقین فرمائی ایک دوسری روایت میں آپؐ نے فرمایا کہ "تم قاتل بندہ بننے کے بجائے مقتول بندہ بنو"، یعنی قتل کرنے کی بجائے قتل کیا جانا پسند کرو۔ اس سلسلے میں حضرت عثمان خلیفۂ ثالث کا عمل بھی دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی جان کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے بھی اپنا دفاع پسند نہ کیا۔

مال کی طرف سے دفاع کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے آدمی چاہے تو اس کا دفاع کرے چاہے تو نہ کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ مال جائز ذرائع سے حلال ہو جاتا ہے جبکہ کسی کی جان لینا کسی طرح بھی حلال نہیں ہوتا۔ بعض فقہاء نے اس مال کا دفاع واجب قرار دیا ہے جس میں کوئی ذی روح ہو یا وہ مال دوسرے کی امانت موقوفہ یا موہوبہ ہو یا وہ رہن اور اجارہ کا مال ہو۔ ان صورتوں میں دفاع ضروری ہو جائے گا[۷]

دفاع کے سلسلے میں دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ اگر کسی بچہ، مجنون (پاگل) یا جانور کی طرف سے حملہ ہو تو اس کا دفاع کیا جائے گا یا نہیں؟ امام مالک امام شافعی اور امام احمد

بن حنبل کے نزدیک اس کی مدافعت کی جائے گی اور ضرورت پڑنے پر حملہ آور کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں دفاع کرنے والے پر کسی قسم کی کوئی فرد جرم عائد نہ ہوگی کیونکہ اپنی جان کی حفاظت کے لیے اس نے اپنا حق استعمال کیا[۹] امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ (امام ابویوسفؒ کے علاوہ) کے نزدیک مدافعت کی جائے گی لیکن جانی نقصان کی صورت میں اس کی تلافی کرنی ہوگی یعنی بچے اور مجنون کی دیت اور جانور کی قیمت ادا کرنی ہوگی ان کی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے دفاع کا حکم جرم کے ازالہ کے لیے دیا ہے۔ بچہ، مجنون اور جانور کا عمل جرم شمار نہیں ہوتا اس لیے اس سے حد ساقط ہو جائے گی لیکن قانونی جوابدہی کرنی ہوگی اور تاوان ادا کرنا ہوگا۔

امام ابویوسف کے نزدیک مدافعت کی جائے گی اور دفاع کرنے والا صرف جانور کی قیمت ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ بچہ اور مجنوں کی طرف سے کوئی دیت ادا نہ کی جائے گی۔ کیونکہ جانور کا حملہ کرنا جرم نہیں سمجھا جاتا جبکہ بچہ اور پاگل کا جرم شمار ہوگا البتہ ان کی عدم ادراک (ناشعوری) کی وجہ سے اس پر سزا کا نفاذ نہ ہوگا[۹]

جو لوگ ہر حال میں دفاع کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ آدمی اپنی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اس لیے اس کا دفاع ضروری ہے لیکن واضح رہے کہ حملہ آور کا خون صرف اس لیے حلال نہیں ہو جاتا کہ اس نے حملہ کیا ہے اگر دوسرے طریقوں سے اس کا دفاع ممکن ہو تو اس کا قتل کرنا درست نہ ہوگا۔ یہ اس وقت صحیح ہوگا جب کہ کسی اور طریقہ سے دفاع ممکن نہ ہو۔ بدرجۂ مجبوری ہی حملہ آور کو قتل کرنے یا اس کی جان لینے کی شریعت نے اجازت دی ہے[۱۰]

دفاع کی شرائط

دفاع آدمی کا حق ہے لیکن اس کی چند شرائط ہیں جن کی پابندی لازمی ہے ذیل میں ان پر تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی پر دفاع اس وقت ضروری ہوگا جب واقعی اس پر ظلم ہو رہا ہو مثال کے طور پر اگر باپ اپنے بیٹے کو اور شوہر اپنی بیوی کو ادب سکھانے کے لیے اور استاذ بچوں کو تعلیم دینے کے لیے مار پیٹ کرے تو یہ ظلم نہیں سمجھا جائے گا یا اسی طرح اگر

کسی پر حد شرعی نافذ کی جا رہی ہو یعنی ہاتھ کاٹا جا رہا ہو یا کوڑے لگائے جا رہے ہوں یا قصاص کے طور پر اس کی گردن اڑائی جا رہی ہو تو ایسی صورت میں اس کا شمار ظلم میں نہ ہوگا اور دفاع کا حق حاصل نہ ہوگا کسی معاملے کی تحقیق کے لیے آدمی کا گرفتار کیا جانا اور معمولی مار پیٹ اور زدوکوب بھی ظلم شمار نہ ہوگا کہ اس کا دفاع ضروری ہو۔

ظلم و زیادتی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے وہ شدید بھی ہو سکتی ہے اور معمولی بھی معمولی زیادتی کی صورت میں حق دفاع ساقط نہ ہوگا البتہ حسب ضرورت ہی طاقت کا استعمال ہونا چاہیے۔ اس طرح آدمی اپنی ذات کے علاوہ دوسرے کی طرف سے بھی دفاع کا مکلف ہے۔ کبھی آدمی اپنی ہی جان و مال کو نقصان پہنچانے لگتا ہے ایسی صورت میں اس سے باز رکھنا ضروری ہے[۱۱] امام مالک شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک دفاع کے لیے قابل سزا جرم ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کا غیر شرعی ہونا کافی ہے خواہ اس کا کرنے والا شرعاً مکلف ہو یا نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دفاع کے لیے ضروری ہے کہ وہ قابل سزا جرم ہو اور حملہ آور قانوناً و شرعاً مکلف ہو دوسری صورت میں صرف بدرجہ مجبوری دفاع کیا جائے گا امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا قابل سزا جرم ہونا کافی ہے مجرم کا قانوناً جوابدہ ہونا ضروری نہیں۔ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک ہر زیادتی، زیادتی ہے خواہ وہ کسی آدمی کی طرف سے ہو یا کسی جانور کی طرف سے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کے نزدیک جانور کی زیادتی کی مدافعت جرم سمجھ کر نہیں بلکہ ایک ضرورت سمجھ کر کی جائے گی۔

دفاع کے سلسلے میں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ حملہ آور اگر دفاعی پوزیشن میں آجائے اور یہ عذر کرے کہ وہ اپنا دفاع کر رہا تھا تو یہ قابل لحاظ نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر اس کی جان بھی چلی جائے یا شدید زخم لاحق ہو تو دفاع کرنے والا جوابدہ نہ ہوگا کیونکہ زیادتی کی ابتدا اس کی طرف سے ہوئی تھی جیسا کہ حضرت علیؓ کے فیصلہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ ان کے زمانے میں ایک عورت کے حجلہ عروسی میں اس کا ایک آشنا گھس آیا جب اس کا شوہر وہاں آیا تو اس نے اس پر حملہ کر دیا جس پر شوہر نے آشنا کو قتل کر دیا اور عورت نے اپنے آشنا کی مدافعت میں شوہر کو قتل کر دیا۔ حضرت علی نے عورت پر قصاص کی حد جاری فرمائی اور اس کے دفاع کا کوئی اعتبار نہ کیا البتہ اگر

مدافعت ظلم سے بڑھ کر ہو تو ایسی صورت میں وہ زیادتی سمجھی جائے گی اور اس کا دفاع کیا جائے گا۔

دفاع کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ جب حملہ آور حملہ کر دے تب اس کا دفاع کیا جائے بلکہ اگر اس کا خدشہ اور گمان غالب ہو تو ایسی صورت میں بھی دفاع کا حق حاصل ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص تلوار یا کوئی دوسرا ہتھیار لے کر سامنے آجائے یا کسی کے گھر میں گھس آئے اور اسباب وقرائن ایسے ہوں جن سے ظاہر ہو رہا ہو کہ وہ یقیناً حملہ کر دے گا تو ایسی صورت میں مدافعت کی جائے گی[۱۲] لیکن صرف وہم یا گمان کی بنیاد پر دفاع کی اجازت نہ ہوگی اس طرح مذاق یا کھیل میں ہتھیار اٹھائے جانے سے بھی اس کی مشروعیت لازم نہیں آئے گی الا یہ کہ معقول اسباب ثابت کر رہے ہوں کہ مقابل کی نیت درست نہیں ہے تو ایسی صورت میں مدافعت کا حق حاصل ہوگا۔

دفاع کے لیے اس بات کی بھی خاص اہمیت ہے کہ آدمی کو اس کا علم ہو کہ اس پر زیادتی کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی کیونکہ اسی بنیاد پر اسے دفاع کا حق حاصل ہوگا نہ تو زیادتی سے قبل دفاع ہے اور نہ اس کے بعد۔ مثال کے طور پر حملہ آور دفاع کرنے والے کی ایک ضرب کے بعد مزید جارحیت سے معذور ہو جائے تو ایسی صورت میں اس پر ضروری ہے کہ وہ اپنا ہاتھ روک لے دوسری صورت میں وہ قانوناً قابل مواخذہ ہوگا۔ البتہ اگر حملہ آور کسی کا مال لے کر بھاگ رہا ہو تو اس کا تعاقب کیا جائے گا اور جب تک مال اس سے چھین نہ لے دفاع کا حق اسے حاصل رہے گا حتیٰ کہ اس کی واپسی اگر کسی طرح ممکن نہ ہو تو اس کی جان بھی لی جا سکتی ہے۔

کوئی شخص کسی پر جارحانہ حملے کا اظہار کرتا ہے یعنی اس کی نیت اور ارادہ ہے کہ وہ اس پر حملہ کرے گا لیکن وہ اس کی تعمیل پر قادر نہیں ہے تو ایسی صورت میں دفاع کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ اس سلسلے میں گمان غالب تو معتبر ہے لیکن صرف اس کا ارادہ یا نیت معتبر نہیں ہے لہٰذا اگر وہ اس بنیاد پر اس کا قتل کر دیتا ہے تو اس پر حد شرعی نافذ کی جائے گی۔

۲۔ دفاع کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ زیادتی زمانۂ حال میں ہو رہی ہو جبھی دفاع تصور کیا جائے گا ورنہ وہ خود زیادتی ہوگی ممکنہ خطرہ یا دھمکی کی بنیاد پر دفاع مشروع

نہیں ہوگا اور ایسی صورت میں دفاع کرنے والا قانونًا جوابدہ ہوگا البتہ وہ ممکنہ خطرے اور دھمکی کا مناسب دفاع کرسکتا ہے جس کے لیے حکومت کا تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ دفاع کی تیسری شرط یہ ہے کہ حملہ آور کی جان لینے کے علاوہ کسی اور طرح دفاع ممکن نہ ہو۔ اگر کسی دوسری صورت سے دفاع ہوسکتا ہو تو پہلے اسے اختیار کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر شور مچانے یا مدد طلب کرنے سے حملہ آور بھاگ جائے یا حملے کا دفاع کیا جاسکے تو بلا وجہ اس کو مارنا یا قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور اگر ایسا کیا تو وہ جرم تصور کیا جائے گا۔[۱۲] اس طرح اگر حملے کا دفاع حکومت کے ذریعہ سے کیا جاسکتا ہو تو حملہ آور کا قتل کرنا یا مار پیٹ کرنا جائز نہیں ہے۔[۱۳] فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ فرار (یعنی حملے کے موقع و محل سے بھاگ جانا) دفاع کا ایک متبادل ذریعہ تصور کیا جائے گا یا نہیں؟ جن فقہاء نے اس کو متبادل ذریعہ قرار دیا ہے ان کے نزدیک اس کا اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ آدمی دفاع کے لیے آسان ذریعہ اپنانے کا شرعی طور پر مکلف ہے۔[۱۵] البتہ جن کے نزدیک متبادل ذریعہ قرار نہیں دیا گیا ہے ان کے نزدیک بھاگنا ضروری نہیں اسے چاہئے کہ ثابت قدم رہ کر حالات کا مقابلہ کرے۔[۱۶] بعض فقہاء نے فرار کی مناسب اور غیر مناسب صورتوں میں فرق کیا ہے۔[۱۷] مثال کے طور پر آدمی تنہا ہو اور بھاگ جانے سے اس کی عزت و آبرو پر کوئی آنچ نہ آتی ہو تو ایسی صورت میں بھاگ جانا ہی بہتر ہے۔ دوسری صورت میں اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ پامردی سے حملے کا دفاع کرے۔[۱۸]

۴۔ دفاع کے لیے چوتھی شرط یہ ہے کہ دفاع کے وقت حسب ضرورت طاقت استعمال کی جائے مثال کے طور پر کوئی آدمی گھر میں گھس آئے اور وہ ڈانٹ پھٹکار ہی سے واپس چلا جائے تو اس کا مارنا پیٹنا صحیح نہیں ہے یا معمولی مار پیٹ سے وہ واپس جانے پر تیار ہو تو غیر ضروری طور پر مارنا پیٹنا درست نہیں اسی طرح اگر لاٹھی کی مار سے وہ بھاگ جائے تو لوہے کے ہتھیار سے مارنا یا ایک دفعہ مارنے سے دفاع ہو جائے تو دوسری مرتبہ مارنا جائز نہیں ہے۔ دوسری صورت میں دفاع کرنے والا قانونًا جوابدہی سے بری نہ ہوگا اور اس پر حد شرعی نافذ کی جائے گی۔[۱۹] لیکن اگر قتل کیے بغیر دفاع

ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں اسے اس کی اجازت ہوگی۔[۲۰]

جو شخص خود اپنی جان و مال یا اہل و عیال کی جان کے درپے ہو تو اس کی مدافعت حتی الامکان آسان طریقے سے کی جائے گی۔ اگر شور مچانے یا مدد طلب کرنے سے دفاع ہو جائے تو طاقت کا استعمال نہیں کیا جائے گا لیکن اگر اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو اس کی اجازت ہے حتی کہ ضرورت کے وقت حملہ آور کی جان لی جا سکتی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ غیر ضروری طاقت کا استعمال قانونی گرفت کا موجب ہوگا اور نقصان کی صورت میں اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا۔[۲۱]

اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں تانک جھانک کرے تو صاحب مکان پہلے تو اس کو منع کرے گا اس کے باوجود اگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو آسان اور مناسب طریقے سے اس کا دفاع کرے گا اگر اس پر بھی وہ باز نہ آئے اور وہ اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالے تو امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس کی کوئی گرفت نہ کی جائے گی۔[۲۲] کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی تمہارے گھر میں جھانکے اور تم اسے اٹھا کر پتھر دے مارو جس سے اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں تو تمہارے اوپر کوئی تاوان نہیں ہے۔ اس قسم کی اور بھی دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی گھر میں جھانکنے والے کی آنکھیں پھوڑ ڈالے تو اس پر کوئی گرفت نہ کی جائے گی امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک (غالب رائے کے مطابق) صرف دیکھنے (جھانکنے) کی بنیاد پر آنکھیں نہیں پھوڑی جا سکتیں کیونکہ کسی کی شرمگاہ دیکھ لینے پر آنکھیں پھوڑ دینے کا جواز نہیں نکلتا تو پھر صرف گھر کی طرف دیکھ لینے پر کیسے ایسا کیا جا سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حدیث بالا کا مقصد تانک جھانک سے سختی کے ساتھ منع کرنا ہے[۲۳] امام مالک کے نزدیک پتھر پھینک مارنا تنبیہ کی غرض سے ہو سکتا ہے۔ جس پر اگر اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں تو قصاص لازم نہیں آئے گا البتہ اس کا تاوان دینا ہوگا۔[۲۴]

دفاع کے سلسلے میں حملہ آور کے قتل کے تعلق سے علامہ علاء الدین کاسانی فرماتے ہیں کہ کسی کا خون صرف اس لیے حلال نہیں ہو جاتا کہ اس نے کسی پر حملے کا ارادہ کیا ہے اگر اس کا دفاع کسی اور طرح ممکن ہو تو حتی الامکان اسی طریقہ کو اختیار کیا جائے گا دوسری صورت میں بدرجہ مجبوری حملہ آور کا قتل جائز ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنی جان کی حفاظت

نہیں کرسکتا تھا مثال کے طور پر اگر کوئی شخص تلوار لے کر سامنے آجائے تو جب تک دفاع کرنے والا شور مچائے گا اور اس کی مدد کے لیے لوگ آئیں اس سے قبل اس کا خاتمہ ہوچکا ہوگا۔ لہٰذا ایسی صورت میں ضروری طاقت کا استعمال کیا جاسکتا ہے[۲۵]
اسی طرح اگر لاٹھی سے حملہ کیا جائے اور دفاع کرنے والے کے پاس تلوار یا چاقو کے علاوہ اور کوئی ہتھیار نہ ہو تو ایسی صورت میں اسے اختیار ہے کہ وہ اس سے اپنا دفاع کرے لیکن جان بوجھ کر یا سستی سے لاٹھی یا آسان ذریعہ سے دفاع نہ کرنا اس کے لیے مناسب نہ ہوگا[۲۶]

دفاع سے تجاوز کی صورتیں

دفاع کے وقت اگر ضرورت سے زیادہ طاقت استعمال کی جائے تو یہ دفاع نہیں بلکہ زیادتی سمجھی جائے گی اور اس کی بازپرس کی جائے گی۔
زیادتی اور اس کے دفاع کے درمیان ایک گہرا ربط ہے۔ کیونکہ زیادتی کی وجہ سے دفاع مشروع ہوا ہے پس جہاں زیادتی شروع ہوگی وہاں دفاع بھی مشروع ہوگا اور جہاں زیادتی ختم ہوجائے وہیں پر دفاع بھی ختم ہوجائے گا اگر زیادتی ختم ہونے کے بعد دفاع جاری رہے تو یہ دفاع نہیں بلکہ خود زیادتی ہوگی[۲۹]
دفاع جائز ہے اور اس پر کوئی سزا نہیں ہے لیکن دفاع کے وقت جوابی حملے کا اگر کوئی دوسرا شخص شکار ہوجائے مثلاً کسی نے حملہ آور کو مارنے کے لیے تلوار چلائی جو اتفاق سے اس کے بجائے کسی دوسرے شخص کو لگ گئی تو ایسی صورت میں اس کی جوابدہی کرنی پڑے گی البتہ چونکہ اس کا تلوار چلانا اپنی جگہ پر صحیح تھا اور غلطی سے دوسرے کو لگ گئی لہٰذا اس پر قتل خطا کا حکم نافذ ہوگا اور اس کی دیت ادا کرنی پڑے گی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر آدمی شکار کرنے کے لیے جانور پر تیر چلائے لیکن وہ کسی انسان کو لگ جائے تو ایسی صورت میں اس کو تاوان دینا ہوگا۔ مذکورہ بالا مسئلہ بھی اسی نوعیت کا ہے لہٰذا اس کو اس پر قیاس کیا جائے گا۔
دفاع کی غرض سے گھر کے دروازے کے پیچھے یا راستے میں جال بچھانا یا کوئی ایسی تدبیر کرنا جس سے حملہ آور زخمی ہوجائے یا مرجائے تو امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام

احمد بن حنبل کے نزدیک جائز ہے[۳۰] اور صاحب مکان اس کے لیے جوابدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ داخل ہونے والے نے بغیر اجازت اور حق کے داخل ہونے کی کوشش کر کے گویا اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ امام مالک کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں ہے[۳۱] کیونکہ شریعت میں دفاع کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ آدمی پہلے آسان طریقہ اختیار کرے جبکہ اس صورت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ لہٰذا یہ درست نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جدید ماہرین قانون کی بھی مختلف رائیں ہیں بعض اس کو درست قرار دیتے ہیں جبکہ بعض اس کو درست نہیں سمجھتے ہیں[۳۲]

جوابی دفاع کی شرعی حیثیت

فقہاء کے درمیان اس بارے میں اتفاق ہے کہ دفاع جائز ہے اور اس پر کوئی گرفت نہیں کی جائے گی یہ آدمی کا حق ہے کہ وہ اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے لیکن اگر دفاع کرنے والا حملہ آور پر ضرورت سے زیادہ طاقت استعمال کرتا ہے تو ایسی صورت میں کیا اس کے لیے بھی دفاع مشروع ہوگا اس بارے میں شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ زیادتی زیادتی ہے خواہ وہ حملہ آور کی طرف سے ہو خواہ دفاع کرنے والے کی طرف سے بہرحال اس کا دفاع کیا جائے گا البتہ اس کے لیے آسان طریقہ اور حتی الامکان کم سے کم طاقت استعمال کی جائے گی ضرورت کے وقت پوری طاقت کے استعمال کی اجازت شریعت نے دی ہے۔

حواشی و مراجع

۱ھ الاحکام فی اصول الاحکام لسیف الدین ابی الحسن الآمدی طبعۃ دار الکتب ج ۱ ص ۱۳۸
المستصفیٰ للغزالی ج ۱ ص ۶۵، ۶۶

۲ھ المستصفیٰ للغزالی ج ۱ ص ۴۲

۳ھ حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار لابن عابدین المطبعۃ الامیریۃ ج ۵ ص ۴۸۱ تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج لشہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی طبعہ ۱۳۱۹ھ ج ۴ ص ۱۲۴ مواہب الجلیل شرح

مختصر خلیل للخطاب ج ۶ ص ۳۲۳ - الزیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق الطبعۃ الاولی المطبعۃ الامیریۃ
وحاشیہ شہاب الدین الشلبی ج ۶ ص ۱۱۰

۴؎ المغنی علی مختصر الخرقی لمحمد عبداللہ بن قدامہ الطبعۃ الاولی بمطبعۃ المنار ج ۱۰ ص ۳۵۰

۵؎ الاقناع شرف الدین موسی الحجاوی الطبعۃ الاولی المطبعۃ المصریہ ج ۴ ص ۲۹۰

۶؎ حاشیہ الرملی، ابوالعباس احمد الرملی (دیکھئے اسنی المطالب شرح روض الطالب) ج ۴ ص ۱۶۸
وشرح الزرقانی وحاشیہ البنانی ج ۸ ص ۱۱۸

۷؎ اسنی المطالب شرح روض الطالب لابی یحیی زکریا الانصاری ج ۴ ص ۱۶۸

۸؎ مواہب الجلیل ج ۶ ص ۳۲۳ تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ ومناہج الاحکام لابن فرحون
ج ۲ ص ۳۰۳ الام لامام الشافعی الطبعۃ الاولی مطبعۃ بولاق ج ۶ ص ۱۷۲ المہذب لابی اسحاق
الشیرازی مطبعۃ البابی الحلبی ج ۲ ص ۲۲۳ الاقناع ج ۴ ص ۲۵۹

۹؎ البحر الرائق شرح کنز الدقائق لابن نجیم ج ۸ ص ۳۰۲

۱۰؎ الام ج ۶ ص ۱۷۲

۱۱؎ اسنی المطالب ج ۴ ص ۱۶۷

۱۲؎ الام ج ۶ ص ۲۷

۱۳؎ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۴۸۲، اسنی المطالب ج ۴ ص ۱۶۷

۱۴؎ الام ج ۶ ص ۲۷ اسنی المطالب ج ۴ ص ۶۷

۱۵؎ المغنی ج ۱۰ ص ۳۵۳

۱۶؎ حوالہ سابق والام ج ۶ ص ۲۸

۱۷؎ تحفۃ المحتاج ج ۴ ص ۱۲۶

۱۸؎ حوالہ سابق واسنی المطالب ج ۴ ص ۱۶۷

۱۹؎ المغنی ج ۱۰ ص ۳۵۱-۳۵۲ ۲۰؎ حوالہ سابق

۲۱؎ تاوان کی دو صورتیں ہیں بدنی یا مالی فقہاء نے صرف "ضمان" کا تذکرہ کیا ہے۔ المہذب ج ۲ ص ۲۲۱

۲۲؎ المغنی ج ۱۰ ص ۲۵۵ المہذب ج ۲ ص ۲۲۲

۲۳؎ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۴۸۵

۲۴؎ مواہب الجلیل ج ۵ ص ۳۲۲-۳۲۳

۲۵ھ بدائع الصنائع ج ۷ ص ۶۳
۲۶ھ اسنی المطالب ج ۴ ص ۱۶۷
۲۷ھ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۲۷۴
۲۸ھ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۵۲۴ تحفۃ المحتاج ج ۵ المغنی ج ۹ ص ۵۷۱
۲۹ھ تبصرہ الحکام ج ۲ ص ۲۹۶ . مواہب الجلیل ج ۶ ص ۲۳۱
۳۰ھ القسم العام لاحمد بن صفوت ص ۲۲۴

(ماخذ۔ التشریع الجنائی الاسلامی ج ۱ بحث الدفاع الشرعی الخاص ص ۴۷۳ تا ۴۸۹)

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی نئی پیش کش

عہد نبوی کا نظام حکومت

پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی

سیرت نبوی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر اب تک چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا لیکن اس کتاب میں اس لحاظ سے جدت اور ندرت پائی جاتی ہے کہ وہ ایسے موضوعات پر مشتمل ہے جن سے کتب سیرت میں بہت کم تعرض کیا گیا ہے۔ ابتدا میں عہد رسالت میں ریاست کے تدریجی ارتقا پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے پھر اس کے دور مبارک میں شہری نظم ونسق اور فوجی، مالی اور مذہبی نظاموں سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

اسلامی تاریخ اور سیرت نبوی پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی کا خاص موضوع ہے۔ ان کا نام اعلیٰ تحقیقی معیار کی ضمانت ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری سکریٹری ادارہ اور نائب امیر جماعت اسلامی ہند کا مختصر اور مفید مقدمہ بھی ہے۔

آفسٹ کی خوبصورت طباعت عمدہ کاغذ صفحات ۱۳۶ قیمت ۳۰/ زیادہ منگوانے پر خصوصی رعایت

مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی ۔ پان والی کوٹھی ۔ دودھ پور علی گڑھ